حافظ عباد اللہ فاروقی

سرسیّد کے مذہبی افکار

سرسید چونکہ ایک حنفی خاندان میں پیدا ہوئے اس لیے ابتدا میں انھوں نے یہی مسلک اختیار کیا۔ اپنے والد ماجد کے مرشد حضرت شاہ غلام علی سے بیعت اور ان کے جانشین حضرت شاہ احمد سعید سے تجدید کی تھی۔ بزرگانِ دین سے خاص عقیدت رکھتے تھے۔ جہاں کہیں کسی درویش کی خبر پاتے اس سے نیاز حاصل کرنا فخر دارین سمجھتے۔ اولیاء اللہ کے مزاروں پر جاتے۔ عرسوں میں شریک ہوتے۔ صوفیائے کرام کے ملفوظات سے لطف اندوز ہوتے۔ ان کے متصوفانہ کلام پر وجد کرتے۔ خود بھی شعر گوئی کا شوق تھا آہی تخلص کرتے تھے۔ اور اکثر توحید و معرفت کے مضامین کو شعر کا جامہ پہناتے تھے۔ صاحب عالم مرزا قادر بخش صابر کے تذکرۂ گلستانِ سخن میں سرسید کے متعدد اردو اور فارسی کے اشعار موجود ہیں۔ تزکیۂ نفس کی خاطر اوراد و وظائف بھی پڑھا کرتے تھے۔ لیکن مزار پر مراقبہ یا طواف کرنے سے ہمیشہ گریز کرتے رہے۔ ہاں پائین مزار بیٹھ کر رو دیتے اکثر دیکھے گئے۔ اور یہ حالت آخر عمر تک رہی جو ان کے رقیق القلب ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ لیکن وہ عوام کی طرح دنیاوی اغراض یا حاجات بر لانے کی غرض سے کبھی کسی روضہ پر حاضر نہیں ہوئے۔ اور تعویذ گنڈوں پر انھیں بالکل اعتقاد نہ تھا۔

مجالس میلاد میں وہ اکثر شامل ہوتے اور خلوصِ دل سے اس کے لوازم بجالاتے تھے۔

شروع شروع میں سرسید مذہبی رسوم بڑے ذوق شوق سے ادا کرتے تھے۔ مگر چونکہ طبیعت کو غور و فکر کی عادت تھی۔ اس لیے انھوں نے تقلید کے دائرہ میں قید رہنا گوارا نہ کیا۔ اور سب سے پہلے اس کو ترک کر کے قوانینِ فطرت کا مطالعہ شروع کیا۔ قرآنِ مجید اور حدیثِ نبوی میں جو فرق ہے اسے پیش نظر رکھا۔ اصول روایت و درایت کی تحقیق کی اور آخر اس نتیجہ پر پہنچے کہ حدیث کی

صحت پر ایسا یقین نہیں ہو سکتا جیسا کہ مسلمانوں کا یقین قرآن شریف کی نسبت ہے۔ انھیں یقین تھا کہ مسلمانوں میں فروعی اختلافات موضوع احادیث کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا یہ بھی خیال تھا کہ حدیث میں وقت کی مصلحتوں کا خیال رکھا گیا ہوگا۔ مگر کلام الٰہی ہر زمانے، ہر قوم اور ہر ملک کے لیے یکساں ہے اس لیے انھوں نے اصول دین قرآن مجید سے استنباط کیے۔ مفسرین کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ وہ بہ تقاضائے بشری کسی زمانے میں بھی غلطی سے پاک نہیں ہو سکتے۔ بالفاظ دیگر ان کے خیال کے مطابق یہ ضروری نہیں کہ متقدمین کی لکھی ہوئی تفاسیر اس زمانے کی لکھی ہوئی تفاسیر سے زیادہ معتبر اور صحیح سمجھی جائیں۔ کیونکہ غلطی کا امکان ہر زمانے میں ہو سکتا ہے نیز ان کا یہ بھی خیال تھا کہ چونکہ خدائے قدوس کے کلام کے حقائق و معارف ہر زمانے میں ظاہر ہوتے رہیں گے اس لیے اگر کسی کو قدیم مفسرین سے کسی بات میں اختلاف ہو یا بعض نئے معانی سمجھ میں آئیں اور وہ فطرت اللہ کے خلاف نہ ہوں تو محض اس بنا پر ان کے قبول کرنے سے انکار نہ کر دینا چاہیے کہ متقدمین نے ایسا نہیں لکھا۔ یا بزرگوں کی یہ رائے نہ تھی۔

خیالات میں تبدیلی

ابتدا میں سرسید نے ایک رسالہ "جلاء القلوب بذکر المحبوب" آں حضرت صلعم کے حالات زندگی کے بارے میں لکھا تھا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سرسید پکے حنفی العقیدہ تھے۔ وہ معجزات کو برحق جانتے اور معراج جسمانی کے قائل تھے۔ لیکن بعد میں جب ان کے خیالات پلٹے تو خود ہی اس رسالے پر ایک ریویو لکھا جس میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"یہ کتاب اس زمانہ میں لکھی گئی تھی جب کہ لوگوں کی دیکھا دیکھی مولود کی مجلس کا دل میں بڑا شوق تھا۔ ہر مہینے کی دوازدہم کو لوگ جمع ہوتے تھے۔ سوا لاکھ دفعہ چھوہارے کی گٹھلیوں پر درود پڑھا جاتا تھا، اور ختم کے بعد شیرینی بانٹتے تھے۔ اور ہم کو لوگ بہت نیک اور محب رسول سمجھتے تھے۔ حالانکہ اس زمانہ میں ہم نے نہ رسول صلعم کو سمجھا تھا اور نہ رسول کی محبت کو۔ اس زمانہ میں بہت سے رسالے مولود کے دیکھے اس وقت کے خیال کے مطابق ان میں ایسی باتیں معلوم ہوئیں جو ٹھیک نہ تھیں۔ اور بجائے اس کے

کہ ان میں آنحضرت صلعم کے حالات بیان ہوں وہ رسالے زیادہ تر مرثیہ خوانی یا کتاب خوانی سے، جس کا رواج محرم کی مجلسوں میں ہے مشابہ تھے۔ اس لیے دل میں آیا تھا کہ ایک مختصر رسالہ جو بطور بیانِ حالات اور واقعات کے ہو۔ جس میں نامعتبر باتیں نہ ہوں لکھا جائے۔ مگر اب افسوس ہوتا ہے کہ اس میں بہت سی نامعتبر بلکہ لغو باتیں ہیں۔ اس وقت خیال تھا کہ مولود کی مجلس ایک مذہبی امر اور بہت بڑے ثواب کا کام ہے۔ اور بہشت کی نعمتوں کے ملنے کی کنجی ہے۔ مجلسِ مولود میں پیغمبر صاحب صلعم کی روح پاک موجود رہتی ہے۔ اور رحمت کے فرشتے اترتے رہتے ہیں۔ خصوصاً ہماری مجلس میں جو بالکل سادہ اور زوائد بے ہودہ سے آزاد اور صرف مجلس درود خوانی ہے۔ اور تمام باتوں سے جو مشابہ مرثیہ خوانی یا کتاب خوانی کے ہوں پاک ہے۔

جب مذہبی مسائل میں زیادہ تر پختگی ہوئی اور ان عقائد کی جانب میلان ہوا جس کو وہابیت کہتے ہیں تو مجلسِ مولود کو بدعت سمجھا۔ کیونکہ اس کا وجود شروع "مشہود لہا بالخیر" میں نہ تھا۔ کئی سو برس بعد آنحضرت صلعم کے انتقال کے اس کا رواج ہوا ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ "من احدث فی امرنا ھذا فھورد وکل بدعۃ ضلالۃ"۔ اور اب شاید معتزلیت زیادہ چڑھ گئی ہے جو یہ خیال ہے کہ ایک فعل کا خواہ وہ اس قسم سے ہو جس کو عبادت مالی کہتے ہیں دوسرے پر خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ کچھ اثر نہیں ہوتا۔ قرآن و فاتحہ پڑھ کر ثواب بخشنا۔ یا ملانوں کو بغرض ایصال ثواب کھانا کھلانا بالکل لاحاصل محض اور بہ ہمہ وجوہ ہندوؤں کے اس فعل کے مشابہ ہے جو اپنے بزرگوں کو ثواب پہنچانے کے لیے بہمنوں سے کھانا اور منتر پڑھواتے ہیں اور گیا و پراگ میں جا کر پنڈ دان کرتے ہیں۔ اور اب اس پر یقین ہے کہ ٹھیٹھ اسلام کا یہی سچا مسئلہ ہے۔

"جشن مولود اگر بطور یادگار اس دن کے ہو جس میں ایسا بڑا شخص پیدا ہوا جس نے تمام دنیا کو سچائی سے روشن کیا، تمام عالم میں خدا پرستی کو شائع کیا، ہر ایک کو ہدایت کا رستہ بتایا اور کہا " انما بشر مثلکم یوحیٰ الیّ انما الٰھکم اللہ واحد " اور صرف یہ کہا ہی نہیں بلکہ اس قول سے تمام دنیا کے مذاہب کو الٹ دیا۔ بت پرستی کو جزیرۂ عرب سے مٹا دیا، متفرق قوموں کو ایک کر دیا اور تمام

جابر اور گمراہ سلطنتوں کو نیست و نابود کر دیا تو اس جشن عظیم کا ہر سال ہونا نہایت عمدہ بات ہے۔ اس لیے کہ پرانی تاریخ کی یادگاروں کو زندہ رکھنا افضل ترین بنی نوع انسان کے دائمی احسانوں کا اعتراف کرنا ہے۔ اور آئندہ انہی فوائد اور نیکیوں کی جو انھوں نے جاری کیں ہمیشہ قائم رکھنے کی نیت کا دکھلانا اور ہمت کا دلانا ہے۔ قومی اتحاد کا جو اصلی باعث ہوا اس کی یاد سے قومی اتحاد بڑھتا ہے۔ جس کی نیکیوں کا اثر ہم پر پڑا اس کا احسان ماننے سے طینت کی نیکی زیادہ ہوتی ہے۔ اور نیکی کے قیام کو بہت زیادہ استحکام ہوتا ہے۔ مگر یہ جبھی ہوتا ہے جب کہ مذہبی خیالات جو انسان کو معاد کے ثواب و عذاب کی طرف مائل کرتے ہیں اور اصلی سبب کو دل سے بھلا دیتے ہیں اور انسان کے تمام قدرتی جذبات کو دبا دیتے ہیں، ان کا اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ پس چار آدمیوں کا بیٹھ کر چند نعتیہ اشعار پڑھ کر رو لینا بے فائدہ کام ہے۔ بلکہ بعوض اس کے جشن عظیم الشان کیا جائے۔ شہر آراستہ ہوں۔ روشنیاں کی جاویں اور خوشیاں منائی جاویں اور جہاں تک ممکن ہو شان و شوکت و حشمت اس نبی پاک کے پیرووں کو دکھلائی جاویں تو بے شک وہ فوائد اس سے مل سکتے ہیں۔ گو بہت سے لوگوں کے نزدیک ایسے امر کی خوشی کرنا انسان کی روح کی ترقی مدارج کا بھی باعث ہے جس کا نام ثواب ہے۔ اور اگر اس سے صرف ثواب کی گٹھڑیاں باندھنی مقصود ہوں اور اسی مقصد سے یہ مجلس بطور ایک مذہبی رسم کے کی جائیں تو "کل بدعة ضلالة" ہی ہے۔

"اس رسالے میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جو حالی کے یقین کے بالکل برخلاف ہیں۔ آنحضرتؐ بلاشبہ شفیع امت ہیں۔ کیونکہ آپؐ نے وہ راہ بتائی ہے جس پر چلنے سے نجات ہوتی ہے مگر یہ سمجھنا کہ قیامت میں گناہ بخشوائیں گے تو بالکل عیسائیوں کے مسئلہ کے مطابق ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ عیسیٰ مسیح تمام امت کے گناہوں کے بدلے ذبیحہ ہو گئے۔ قمر کا شق ہونا محض غلط ہے اور بانیٔ اسلامؐ نے کہیں اس کا دعویٰ نہیں کیا۔ کسریٰ کے محل کے کنگروں کا گرنا، آتشکدوں کی آگ کا بجھنا۔ ساوہ کے چشموں کا خشک ہونا۔ بحیرا کا آنحضرت صلعم کو نبی ہونے کی خوش خبری دینا۔ درختوں اور پتوں کا سجدہ کرنا۔ ایک سایہ میں اترنے کے سبب میسرہ کا آپؐ کو پیغمبر ہونے

کی خبر دینا۔ دھوپ روکنے کو دو فرشتوں کا سایہ کرنا۔ جبرئیل کا تین دفعہ بغل میں بھینچنا۔ جنوں کا (جن سے ایک ایسی خلقت جو متشکل باشکالِ مختلفہ ہو جاتی ہو) ایمان لانا ان میں سے کوئی بات بھی ان اصول کے مطابق جو صحت روایت کے لیے درکار ہیں اور جن کا ذکر میں نے "خطبات احمدیہ" میں لکھا ہے ثابت نہیں ہے۔ معراج کا بیان بھی جس طرح اس رسالہ میں لکھا ہے صحیح نہیں ہے جو صحیح ثابت ہوا ہے وہ اس کے بعد کی تصانیف میں مندرج ہے۔ مہر نبوت کا ذکر بھی صحیح نہیں ہے۔ راویوں نے اس کے بیان میں غلطی کھائی ہے جس کی تفصیل ہماری کتابوں میں ملے گی۔ آنحضرت صلعم کے بہت سے معجزات بھی اس رسالے میں مندرج ہیں جس میں شق قمر کا معجزہ بھی شامل ہے جس سے اکثر علمائے محققین نے بھی انکار کیا ہے۔ قرآن مجید کی فصاحت بے مثل کو معجزہ سمجھنا ایک غلط فہمی ہے " فاتو بسورۃٍ من مثلہ" کا یہ مقصد نہیں ہے۔ اس کا بیان ہماری تفسیر میں ملے گا۔ باقی جس قدر معجزے اس رسالے میں بیان ہوئے ہیں وہ میری تحقیق میں حدِ ثبوت کو نہیں پہنچتے[1]۔"

جب سر سید کا یہ ریویو شائع ہوا تو لوگ برہم ہو گئے۔ ان کے رد میں رسالوں پر رسالے اور کتابوں پر کتابیں لکھی گئیں۔ سر سید کو ملحد، بے دین کافر، دہریہ وغیرہ کے لقب دیے گئے۔ جب انھوں نے اہل کتاب کے ساتھ مواکلت، مشاربت، مناکحت کا جواز ثابت کیا تو علمار نے ان کے ساتھ کھانا پینا ناجائز قرار دیا۔ ہر طرف سے فتووں کی بھرمار ہونے لگی اور ان کا رد دین کی بڑی خدمت سمجھی گئی۔ لیکن زمانہ کی رفتار سر سید کے ساتھ تھی۔ انگریزی تعلیم کی ترقی لوگوں کو خود بخود ان کا ہم خیال بناتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ علمار کا ایک گروہ بھی سر سید کی بتائی ہوئی باتوں کو تسلیم کرنے لگا۔ جس کا ثبوت ندوۃ العلمار سے ملتا ہے۔ چنانچہ مولانا شبلی کے متعلق مولانا عبدالحلیم شرر مرحوم نے رسالہ دلگداز (دسمبر ۱۹۱۴ء) میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ:

---

(۱) ریویو رسالہ جلار القلوب بذکر المحبوب

"مولانا نے جن درسگاہوں میں تعلیم پائی اور جن اساتذہ سے پڑھا ان کی محبت نے ابتدا ہی میں انھیں سخت حنفی بنا دیا تھا۔ اس شوق میں انھوں نے اپنے نام کے ساتھ "نعمانی" کا لقب لکھنا شروع کیا۔ جس کی وجہ سے بعض ناواقف لوگوں نے انھیں غلطی میں پڑ کے نسباً نعمانی یعنی امام اعظم ابو حنیفہ کوفی کی نسل میں خیال کر لیا۔ مگر اس کی کوئی اصلیت و حقیقت نہیں ہے۔ وہ متشدد حنفی تھے۔ اس موقع پر ان کے خیالات کے متعلق اس نازک انقلاب کا بیان کر دینا بھی لطف سے خالی نہ ہوگا کہ سرسید دراصل غیر مقلد اور اہل حدیث کے گروہ میں تھے۔ لیکن مسائل کلامی اور انگریزی اثر نے غیر مقلد سے ایک بڑی حد تک انھیں معتزلی بنا دیا تھا۔ سید صاحب کی صحبت کا مولانا شبلی پر کوئی اثر نہ ہوتا یہ غیر ممکن تھا۔ مگر اہل حدیث کی طرف سے ان کے دل میں جو بھڑک تھی وہ بھی ممکن نہ تھا کہ انھیں نعمانیت اور حنفیت کے دائرے سے باہر نکلنے دیتی۔ لہذا بغیر اس کے کہ غیر مقلدی کا کچھ بھی رنگ چڑھنے پائے وہ بلا واسطہ نعمانی سے معتزلی بننے لگے۔ اور آخر میں اس بات کی کوشش شروع کی کہ خود حنفیت کو اصلی اعتزال ثابت کریں اور بخلاف متاخرین حنفیہ کے جو حنفیت کو اشعریت کی طرف کھینچنا چاہتے ہیں، انھوں نے اپنی حنفیت کو اشعریت کا سخت دشمن اور فقہ کے پردے میں چھپی ہوئی معتزلیت ثابت کرنا چاہا۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ انگریزی کے طلبہ تو ان کی باتوں سے خوش ہو ہو کے دینداری و خوش اعتقادی کے دھوکے میں معتزلی ہونے لگے۔ اور موجودہ علمائے حنفیہ کو ان سے سخت عناد ہوگیا۔"

قدیم اور جدید عقائد

سرسید کے مذہبی خیالات کا مزید اندازہ ذیل کے اصول جدید سے ہوگا جو انھوں نے اصول قدیم کے مقابلہ میں قائم کیے ہیں۔ وہ اصولِ جدید کے قائل تھے اور قدیم و جدید اصولوں کے مطابق عقائد کی تشریح اس طرح کی ہے:

"قدیم اصول: انسان مذہب کے لیے پیدا ہوا ہے۔

جدید اصول: انسان کے لیے مذہب پیدا کیا گیا ہے

قدیم اصول: انسان جہاں تک ممکن ہو نفس کشی کرے اور اپنی خوشیوں اور خواہشوں کو گھٹا کر رفتہ رفتہ بالکل معدوم کر دے۔

جدید اصول: انسان اپنی تمام خواہشوں اور خوشیوں کو زندہ رکھے اور ان کو ان طریقوں پر استعمال کرے جو خالق اکبر نے ان کے استعمال کے لیے پیدا کیے ہیں۔

قدیم اصول: تزکیۂ نفسِ انسانی لازم ہے جس سے یہ مراد لی جاسکتی ہے کہ نفسِ انسانی خلقت میں ناپاک ہے اور انسان کو خود اسے آلائشوں سے پاک کرنا چاہیے۔

جدید اصول: نفسِ انسانی خلقت کی رو سے پاک ہے "کل مولود یولد علی الفطرۃ" اور اس نیک کام کی قابلیت رکھتا ہے جو اس سے لیا جائے۔ انسان اپنی غفلت وسیہ کاری سے خود اپنے نفس کو آلودہ کرتا ہے۔

قدیم اصول: انسان گوشہ نشینی، مجاہدات، کم خوابی اور کم خوری سے اس خفیفہ گوشت میں جو بشکل صنوبری سینہ میں بائیں طرف ہے ایک قسم کی حرکت اور شورش پیدا کرے اور بجز استغراق ذاتِ الٰہی ماسوا کی سب چیزوں یہاں تک کہ اپنے آپ کو بھی بھلا دے۔

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں — ایں خیال است و محال است و جنوں

جدید اصول: ایسا کرنا اپنے میں ایک مرض کا جس کو قطرب یا مالیخولیا کہتے ہیں پیدا کرلینا ہے۔ دل کو (اگر اس کو مبدا ر سب کاموں کا فرض کیا جائے) ایسی حالت پر رکھنا چاہیے کہ اس سے سارے وہ کام جن کے لیے وہ پیدا ہوا ہے انجام پاسکیں۔

قدیم اصول: دنیا و مافیہا سے قطع تعلق کرنا اور صرف ذاتِ مبدار سے علاقہ رکھنا چاہیے:

گسل از جملہ و با دپیوند

جدید اصول: ایسا کرنا خالق کی مرضی کے برخلاف ہے۔ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے انسان کے فائدے کے لیے بنایا گیا ہے۔ پس انسان کو اسے قبول کرنا اور اسی کے ساتھ

ذاتِ مبدا حقیقی سے تعلق رکھنا چاہیے۔" ما خلقت الجن والانس" کا یہ منشا نہیں کہ انسان عبادتِ الٰہی کے لیے حقوق عباد تلف کرے۔ بلکہ ان حقوق کا ادا کرنا عین عبادت ہے۔

قدیم اصول: نعمائے دنیا میں سے صرف اسی قدر پر قناعت کرنی چاہیے کہ جو سدرمق اور رفع حر و برد کو کافی ہو۔

جدید اصول: تمام نعمائے دنیا کو "شکراً المنعمۃ" کام میں لانا چاہیے۔

قدیم اصول: کہ تقدیر پر بھروسہ کرنا اور اس پر شاکر رہنا چاہیے۔

جدید اصول: تقدیر اس امر کا نام ہے جو واقع ہو جاوے۔ قبل وقوع اس کا منتظر رہنا خدا کی حکمت کو جو سعی و تدبیر میں ہے باطل کرنا ہے۔ اور بعد وقوع صبر سے اس کو برداشت نہ کرنا خدا کی ناشکری ہے۔

قدیم اصول: خدا کو اندھیری رات میں آنکھیں بند کر کے ڈھونڈنا چاہیے۔

جدید اصول: خدا کو آنکھیں کھول کر روشنی میں اور موجودات پر توجہ کرنے اور ان کے حقائق و منافع دریافت کرنے سے ڈھونڈھنا چاہیے۔

قدیم اصول: خدا کی عظمت و قدرت اس میں ہے کہ وہ پانی سے آگ کا اور آگ سے پانی کا کام لے سکتا ہے۔

جدید اصول: اس میں خدا کی قدرت اور اس کی عظمت اور صفت میں بٹا لگتا ہے کہ وہ اپنے قوانین کو توڑے" فطرۃ اللہ الذی . . . . لاتبدیل لخلق اللہ"۔

قدیم اصول: اللہ اللہ کہنا اور تسبیح و تہلیل کرنا خدا کو یاد کرنا ہے۔

جدید اصول: خدا کے صنائع سے اس کی یاد کا دل میں آنا خدا کو یاد کرنا ہے۔

قدیم اصول: تسبیح و تہلیل خاص عبادت ہے۔

جدید اصول: انسان کو خدا کی صنائع کو کام میں لانے کے لائق بنانا یا خدا کی صنائع سے انسان کو فائدہ مند کرنا خدا کی عبادت ہے۔

قدیم اصول: تزکیۂ نفس نفسانی خواہشوں کا دل سے دور کرنا ہے۔

جدید اصول: انسان کے دل کو نیکی پر مائل کرنا تزکیۂ نفس ہے۔

قدیم اصول: قرآن مجید میں شفا ہے۔

جدید اصول: بیشک ہے۔ مگر امراض روحانی کے لیے نہ کہ امراضِ جسمانی کے لیے۔

قدیم اصول: قرآن تلاوت کے لیے ہے۔

جدید اصول: قرآن شریف نصیحت پکڑنے اور عمل کرنے کے لیے ہے۔

قدیم اصول: ایک کے عمل کا ثواب دوسرے کو پہنچتا ہے۔

جدید اصول: ایک کا کھانا کھایا ہوا دوسرے کے پیٹ میں نہیں جاتا۔ گویا فاتحہ اور نذر و نیاز سے مُردوں کی روح کو ثواب پہنچانا محض خوش عقیدگی ہے۔

قدیم اصول: مرے ہوؤں کی ارواح طیبہ عالمِ اجسام میں زندوں کو فائدہ پہنچاتی ہیں۔

جدید اصول: خود ان کا خیال ہی ان پر اثر کرتا ہے۔ اور بزرگانِ قدیم کے مزار پر جانا اُن کے یادگاری جلسوں میں جو شرع اور ضرورت کے موافق ہوں شریک ہونا، اپنے خیال کو قوت دینا ہے۔

قدیم اصول: معجزوں سے انبیار کی تصدیق ہوتی ہے

جدید اصول: یہ تصدیق نیچر سے ہوتی ہے۔

قدیم اصول: مذہب روحانی اور جسمانی یعنی دین اور دنیوی دونوں کاموں سے متعلق ہے۔

جدید اصول: مذہب صرف روحانی کاموں سے متعلق ہے۔

قدیم اصول: علوم حکمیہ مذہب کو سُست کر دیتے ہیں۔

جدید اصول: علوم حکمیہ سچے مذہب کی سچائی ظاہر کرتے ہیں۔

قدیم اصول: نیکی یا عبادت حور و قصور ملنے اور دوزخ کے عذاب سے بچنے کے لیے یا خدا کی رضامندی کے لیے اور اس کی خفگی سے بچنے کے لیے کرنی چاہیے۔

قدیم اصول: تزکیۂ نفس نفسانی خواہشوں کا دل سے دور کرنا ہے۔

جدید اصول: انسان کے دل کو نیکی پر مائل کرنا تزکیۂ نفس ہے۔

قدیم اصول: قرآن مجید میں شفا ہے۔

جدید اصول: بیشک ہے۔ مگر امراض روحانی کے لیے نہ کہ امراض جسمانی کے لیے۔

قدیم اصول: قرآن تلاوت کے لیے ہے۔

جدید اصول: قرآن شریف نصیحت پکڑنے اور عمل کرنے کے لیے ہے۔

قدیم اصول: ایک کے عمل کا ثواب دوسرے کو پہنچتا ہے۔

جدید اصول: ایک کا کھانا کھایا ہوا دوسرے کے پیٹ میں نہیں جاتا۔ گویا فاتحہ اور نذرونیاز سے مُردوں کی روح کو ثواب پہنچانا محض خوش عقیدگی ہے۔

قدیم اصول: مرے ہوؤں کی ارواح طیبہ عالم اجسام میں زندوں کو فائدہ پہنچاتی ہیں۔

جدید اصول: خود ان کا خیال ہی ان پر اثر کرتا ہے۔ اور بزرگانِ قدیم کے مزار پر جانا اُن کے یادگاری جلسوں میں جو شرع اور ضرورت کے موافق ہوں شریک ہونا، اپنے خیال کو قوت دینا ہے۔

قدیم اصول: معجزوں سے انبیاء کی تصدیق ہوتی ہے

جدید اصول: یہ تصدیق نیچر سے ہوتی ہے۔

قدیم اصول: مذہب روحانی اور جسمانی یعنی دین اور دنیوی دونوں کاموں سے متعلق ہے۔

جدید اصول: مذہب صرف روحانی کاموں سے متعلق ہے۔

قدیم اصول: علوم حکمیہ مذہب کو سُست کر دیتے ہیں۔

جدید اصول: علوم حکمیہ سچے مذہب کی سچائی ظاہر کرتے ہیں۔

قدیم اصول: نیکی یا عبادت حور و قصور ملنے اور دوزخ کے عذاب سے بچنے کے لیے یا خدا کی رضامندی کے لیے اور اس کی خفگی سے بچنے کے لیے کرنی چاہیے۔

راہ پر، آذر کے بیٹے ابراہیم کی راہ پر چلنے دو۔"

یہ تھے سرسید کے اعتقادات جن کے لیے وہ ہمیشہ بحث و مباحثہ کے واسطے آمادہ رہتے تھے۔ اپنے عقائد کی تبلیغ کے لیے انھوں نے تہذیب الاخلاق جاری کیا۔ جس میں گو دیگر سربرآوردہ اصحاب مثل نواب محسن الملک، مولوی چراغ علی، مولوی مشتاق حسین، منشی ذکاء اللہ، مولانا حالی وغیرہ نے بھی مضامین لکھے، لیکن تقریباً نصف آرٹیکل خود سرسید کے لکھے ہوئے تھے اور ان میں سے اکثر مضامین مذہبی عقائد سے متعلق ہیں۔

افکارِ ابن خلدون

مصنفہ محمد حنیف ندوی

عمرانیات اور فلسفۂ تاریخ کے امامِ اول ابن خلدون کے تنقیدی، عمرانی اور دینی و علمی خیالات و افکار کا ایک تجزیہ۔

قیمت ۲۵ر۴ روپے

حکمائے قدیم کا فلسفۂ اخلاق

مصنف بشیر احمد ڈار

عصری تقاضوں کی روشنی میں حقائق تک پہنچنے کے لیے قدیم حکما و مصلحین کی کاوشوں کا مطالعہ ناگزیر ہے اور اس کتاب میں اسلام سے قبل کے کچھ حکما و مصلحین کا تقابلی مطالعہ اسی نقطۂ نظر سے کیا گیا ہے۔ قیمت ۶ روپے

ملنے کا پتہ

سیکریٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ کلب روڈ، لاہور